اقبال اور شاہ ہمدان

محمد ریاض*

شاہ ہمدان کا ذکر اقبال نے صرف ''جاوید نامہ'' (۱۸۴ - ۱۹۲) میں کیا ہے اور وہیں شاہ صاحب کی سب سے ضخیم کتاب ''ذخیرۃ الملوک'' کی طرف ایک شعر میں اشارہ بھی کیا ہے[1] ۔ اس لحاظ سے شاہ صاحب کا موضوعِ ذکر اُن خاص شخصیتوں میں ادا کیا گیا ہے جو ''جاوید نامہ'' کے لیے مخصوص رہی ہیں اور جن کا ذکر اقبال کی کسی اور تصنیف میں نہیں ملتا مثلاً سعید حلیم پاشا ، کچنر ، مہدی سوڈانی ، طاہرہ ، شرف النساء بیگم اور ناصر خسرو علوی وغیرہ ۔

اقبال کے ان اشعار سے واضح ہو جاتا ہے کہ انھوں نے شاہ صاحب کی نہ فقط مذکورہ بالا کتاب ، بلکہ کئی دیگر کتابیں بھی امعانِ نظر سے مطالعہ کی تھیں اور وہ ، اُن کی ہمہ گیر شخصیت اور تعلیمات سے بے حد متاثر تھے ۔ پھر شاہ صاحب کی فعال اور مصروفِ کار زندگی میں اقبال کو بے پناہ کشش محسوس ہوئی اور شاہ ہمدان کی بصیرت افروز تعلیمات کا نچوڑ جس پختگی اور اعجازِ بیان سے اپنے اشعار میں سمو دیا ہے ، اسے بیان کرنا مشکل ہے ۔

جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے شاہ صاحب کی تعلیمات اور خاص کر اقبال پر ان تعلیمات کے اثرات سے ابھی تک کوئی سیر حاصل بحث نہیں کی گئی ہے ۔ مجھے چونکہ دونوں بزرگوں کی گراں بہا تالیفات اور تعلیمات سے مستفید ہونے کا موقع ملا ہے اس لیے یہ بحث چھیڑنے کی جسارت کی ہے ۔ اسے بیان کرنے سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کے مختصر حالات زندگی بیان کیے جائیں کیوں کہ باوجود اُن کی شہرت کے ، ہمارے ہاں اہلِ علم کا ایک محدود طبقہ ہی اُن کی زندگی اور کارناموں سے آگاہ ہے ۔

شاہ ہمدان کا پورا نام میر سید علی ہمدانی ہے ۔ امیر کبیر ، علی ثانی اور

* محمد ریاض ، ریسرچ اسکالر ، تہران یونی ورسٹی ۔

۱- مرشد معنی نگاہان بودہ ای '' محرم اسرار شاہان '' بودہ ای
جاوید نامہ ، ۱۹۲ ۔

شاہ ہمدان اُن کے معروف القاب ہیں ۔ یہ آخری لقب ہی کشمیر اور برصغیر میں زیادہ مشہور ہے اور اس لیے اقبال نے ''امیر کبیر'' کو ایک جگہ نام کے ساتھ لکھا ہے اور باقی ہر جگہ ''شاہِ ہمدان'' کے لقب سے ہی اُن کو یاد کیا ہے ۔

آپ کی ولادت ۱۲ رجب ۷۱۴ ھجری (۲۱ اکتوبر ۱۳۱۴ عیسوی) کو ہمدان میں ہوئی ۔ آپ حسینی سید تھے اور ہمدان میں آپ کے خاندان کو بڑا اقتدار حاصل تھا ۔ ان کے والد سید شہاب الدین ہمدان کے حاکم تھے اور سمنان کے حاکم (اور بعد میں وادیٔ عرفان کے معروف عارف) سید علاءالدولہ سمنانی (وفات ۷۳۶ ھجری) ان کے ماموں اور مربی تھے ۔ شاہ صاحب نے پہلے قرآن مجید حفظ کیا پھر مروجہ علوم دین میں تبحر حاصل کیا ۔ علوم معقول اور منقول میں بھی آپ نے دسترس حاصل کی ۔ ۱۲ برس کی عمر سے ہی وادیٔ سلوک میں قدم رکھا ۔ اخی علی دوستی (وفات ۷۳۳ یا ۷۳۴ ھ) اور شیخ محمود مزدقانی (وفات ۷۶۶ھ) سے روحانی اور باطنی فیض حاصل کیا ۔ شاہ صاحب کا تعلق سہروردیہ کی ایک شاخ کبرویہ سے ہے جن کا سلسلہ شیخ نجم الدین الکبریٰ (وفات ۶۱۸ھ) سے جا ملتا ہے ۔

شاہ صاحب نے تبلیغی اور تعلیمی اغراض کی خاطر طولانی سفر کیے ۔ انھوں نے تقریباً تمام اسلامی ممالک اور کچھ غیر مسلم ممالک کی تین بار سیاحت کی اور عجیب و غریب واقعات اور حوادث سے دو چار ہوئے ۔ ان سیاحتوں کا بیس سالہ دور جوانی میں اور تیرہ سالہ دور کہولت میں کٹا ۔ کاش وہ اپنا سفر نامہ لکھتے اور وہ یقیناً اُن کے معاصر ابن بطوطہ مراکشی (۷۰۳ - ۷۷۹ھ) کے سفر نامہ سے کم اہمیت کا حامل نہ ہوتا ۔ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ ابن بطوطہ اور اُن کو کئی مشترک حوادث کا سامنا کرنا پڑا[۲] ۔

شاہ صاحب نے تقریباً ۴۰ برس کی عمر میں عائلی زندگی اختیار کی ۔ اُن کے ایک صاحبزادے (میر سید محمد ہمدانی) اور ایک صاحبزادی کا ذکر ملتا ہے ۔ صاحبزادی اُن کے معروف مرید سید اسحاق ختلانی (وفات ۸۲۶ھ) کے عقد میں تھیں ۔ پہلے سفر کے بعد کچھ عرصہ ہمدان میں رہے اور پھر شاہ صاحب ختلان (موجودہ کولاب ، تاجیکستان ، سوویٹ یونین) چلے گئے ۔ وہاں خلقِ خدا کی رہبری فرماتے رہے یہاں تک کہ ۷۷۴ھ میں تیمور کی تہدید سے مجبور ہو کر ۷۰۰ سادات کو ساتھ لے کر کشمیر میں ہجرت فرمائی ۔ سید صاحب ۷۷۴ھ میں اس سے پہلے بھی (سفر کے دوران) کشمیر کی سیاحت فرما چکے تھے ۔

۲۔ مثلاً جزائر مالدیو کے واقعات جن کی طرف آگے اشارہ کیا گیا ہے ۔

شاہ صاحب ایک زبردست واعظ ، مبلغ ، مصلح اور حق گو عالم دین تھے ۔ اُن کا شمار کبار اولیاء اللہ میں ہوتا ہے اور سینکڑوں کرامات ان سے سرزد ہوئی ہیں ۔ ہمدان ، ختلان ، کشمیر اور نواحی علاقوں میں ان کے دم سے اسلام کو تقویت ملی ۔ مدارس ، خانقاہ اور لنگر کھولے گئے اور خاص کر کشمیر کی کایا کو انھوں نے ہی پلٹا ۔

شاہ صاحب ایک نابغہ تھے ۔ عربی اور فارسی میں اُن کی ۱۷۰ تصانیف بتائی جاتی ہیں[۳] اور راقم الحروف فی الحال سو کے لگ بھگ تصانیف کا مطالعہ کر چکا ہے ۔ ایک سے ایک فکرزا اور ایمان افزا ہے ۔ وہ شاعر بھی تھے اور اوسط درجے کے صوفیانہ اشعار اُن کی یادگار ہیں ۔ شاہ صاحب کی تقریباً دس کتابیں اب تک شائع ہو پائی ہیں اور بقیہ خطی نسخوں کی شکل میں ہیں البتہ اب محقق حضرات ان کتابوں کو بروئے کار لانے کی فکر میں ہیں ، ایدھم اللہ ۔

شاہ صاحب کی وفات ۶ ذی الحجہ ۷۸۶ھ (۱۹ جنوری ۱۳۸۴ع) کو سفر کے دوران تحصیل مانسہرہ (ضلع ہزارہ) کے ایک مقام ''پکھلی'' کے قریب ہوئی اور اُن کی وصیت کے مطابق مریدوں نے نعشِ مبارک کو مذکورہ ختلان میں دفن کیا جہاں مقبرہ موجود ہے اور اسی مقبرہ میں ان کے خاندان کے دس اور سادات مدفون ہیں[۴] ۔

اقبال نے اپنے شاہکار آسمانی سفر (جاوید نامہ) میں شاہ صاحب سے اپنی ملاقات کا ذکر ''آنسوئے افلاک'' کیا ہے ۔ حسبِ معمول علامہ کے رہنما مولانا جلال الدین رومی ، غنی کشمیری اور شاہ صاحب کا تعارف کرواتے ہیں ۔ یہ سات اشعار جن میں شاہ صاحب اور اُن کی تعلیماتِ حقہ کا تعارف ہے ، ملاحظہ ہوں :

نغمۂ می خواند آن مستِ مدام — در حضور سید والا مقام
سید السادات ، سالارِ عجم — دستِ او معمارِ تقدیرِ اُمم
تا غزالی درس ''اللہ ھو'' گرفت — ذکر و فکر از دودمانِ او گرفت
مرشد آن کشور مینو نظیر — میر و درویش و سلاطین را مشیر
خطہ را آن شاہِ دریا آستین — داد علم و صنعت و تہذیب و دین
آفرید آن مرد ''ایرانِ صغیر'' — باہنرہای غریب و دل پذیر

۳- حاجی سکین امرتسری ، تحایف الابرار یا تاریخ کبیر ۔
۴- Dr. Sufi, Kashir, I, 116 c-d. ۔

یک نگاہِ او گشاید صد گرہ
خیز و تیرش را بدل راہی بدہ

ان اشعار میں شاہ صاحب کی وہ خدمات بیان کی ہیں جو انھوں نے کشمیر میں انجام دیں ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اُن کی نمایاں ترین خدمات یہیں بارور ہوئیں اور اسی خاطر اُن کو حواریٔ کشمیر (The Apostle of Kashmir) کہا جاتا ہے[۵] ۔ اب علامہ کے ان اشعار کے اشارات ملاحظہ ہوں :

پہلے شعر میں غنی کشمیری (وفات غالباً ۱۰۷۷ھ) کو جو دربار شاہ ہمدان یعنی گوشۂ جنت میں نغمہ سرا دکھایا ہے وہ غنی کی اُس عقیدت کی غماضی کی خاطر ہے جو اُسے شاہ صاحب سے زندگی بھر رہی ۔ غنی کے آبا و اجداد ترکستان سے شاہ صاحب کے ساتھ مہاجرت کرکے کشمیر وارد ہوئے تھے[۶] اور اسلامی تہذیب و تمدن نیز فارسی زبان و ادب کا جو عروج غنی اپنی زندگی میں دیکھ رہا تھا اسے وہاں شاہ صاحب نے ہی رواج دیا تھا اور پھر طبعاً بھی غنی ''فقر او ظاہر غنی ، باطن غنی'' کا مصداق تھا اور اسی مناسبت سے وہ شاہ صاحب کے ہاں نغمہ سرائی کا مجاز تھا ۔

دوسرے شعر میں شاہ صاحب کو سید السادات اور سالار عجم اور معمار تقدیر امم کے خطابات سے یاد کیا گیا ہے جن میں مطلق مبالغہ نہیں ہے ۔ شاہ صاحب نے امیر تیمور کی تہدید[۷] کا مقابلہ کرنے کے لیے ہمدان ، بدخشان اور ختلان وغیرہ کے ۷۰۰ سادات جمع کیے اور سلطان شہاب الدین (۷۵۵ - ۷۷۵ھ) سے رابطہ قائم کرکے کشمیر کی راہ لی ۔ اتنے قافلۂ سادات کے وہ قائد بنے اور ان سب کو کشمیر میں اس طرح آباد کروایا کہ دین کی خدمت بھی کر سکیں اور دوسروں پر بوجھ بھی نہ بنیں ۔ ان میں سے کئی کو بطور مبلغِ دین تیار کیا اور دین اسلام کو بغیر کسی خونریزی اور فساد کے پھیلایا ۔ اُن کی مساعی سے کشمیر کا نومسلمان اور متزلزل معاشرہ ، مستحکم ہو گیا اور ۳۷ ہزار کشمیریوں کی تقدیر شاہ صاحب کے دستِ مبارک پر بدل گئی (یعنی اتنی تعداد نے کفر ترک کیا اور اسلام قبول کیا[۸]) ۔ اُن کے فیضان کا ایک واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ شاہ صاحب نے ایک مرتبہ سلطان قطب الدین (۷۷۵ - ۷۹۵ھ) کو اپنی

۵- Ency. of Islam, I, 392 اور Ibid, 84 ۔
۶- تاریخ حسن II و ''کشمیر ہمارا ہے'' ص ۸۷ ۔
۷- امیر تیمور شاہ صاحب کی حق گوئی اور ان سادات کے اثر و رسوخ سے ناراض تھا اور ان سب کو تہ تیغ کرنا چاہتا تھا ۔
۸- آب کوثر ، طبع پنجم ، ۳۷۷ ۔

ٹوپی عنایت فرمائی اور اس عقیدت مند سلطان اور اس کے جانشینوں نے اسے ہمیشہ اپنے تاج کے لیے پہنا مگر سلطان فتح شاہ (وفات ۹۲۲ھ) نے اسے لاش کے ساتھ دفن کر دینے کی وصیت کی ۔ اس کے دفن ہو جانے پر شاہ صاحب نے کسی بزرگ کو خواب میں فرمایا : ان شاہمیریوں نے میری ٹوپی دفن کرکے اپنی سلطنت کو بھی دفن کر دیا ہے ۔ اب وہ زیادہ دیر تک حکومت نہیں کر سکتے ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ۔ ۹۶۲ھ میں ''چک خاندان'' برسر اقتدار آ گیا[۹] ۔ یہ تھی اس سالارِ عجم کی معماریٔ تقدیر کی مثال ۔

تیسرے شعر میں امام غزالی (وفات ۵۰۵ھ) کے بارے میں فرماتے ہیں کہ انھیں ''اللہ ھو'' (یعنی ''ذکر'') کے ''درس'' کی نعمت شاہ صاحب کے خاندان سے ہی ملی تھی ۔ امام ابو حامد محمد غزالی طوسی عظیم عالم ، فلسفی اور متکلم تھے ۔ البتہ اُن کی زندگی میں عظیم انقلاب آیا اور وہ ''وادی عرفان'' میں گامزن ہوئے ۔ یہ شافعی مسلک کا امامِ زمانہ وادیٔ تصوف کا بھی ناصحِ فرزانہ بن گیا اور فلسفہ و تصوف کو قریب تر لے آیا ۔

فلسفہ رہ گیا تلقین غزالی نہ رہی[۱۰]

امام غزالی اور سادات کی ملاقاتوں کے بارے میں جو کچھ قاضی نوراللہ شوشتری (وفات ۱۰۱۹ھ) نے مجالس المومنین میں لکھا ہے اُس کی محققانہ تردید ہو چکی ہے لیکن علامہ کا اشارہ شاید امام غزالی اور سید مرتضیٰ علوی حسینی ذوالشرفین المعالی محمد (وفات ۴۸۰ھ) کی ملاقات کی طرف ہو ۔ امام کی عمر اس وقت ۳۰ سال سے کچھ کم تھی ۔[۱۱] بہر صورت غزالی نے ''درس اللہ ہو'' لیا ہو یا نہ شاہ صاحب کا خاندان علوم ''باطنی'' کی طرف خاص تمایل رکھتا تھا ۔ اُن کے والد نے سلطان اولجائتو کی منظوری سے شاہ صاحب کے بچپن میں ۴۰۰ اولیاء اللہ اور علماء دین کی جو کانفرنس ''سلطانیہ'' میں بلائی تھی اور اُن بزرگوں کے مختلف مشورے قبول کیے تھے ، یہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھی ۔

جوتھا شعر شاہ صاحب کی مصلحانہ اور مشیرانہ سرگرمیوں کی طرف اشارہ کرتا ہے ۔ ''کشور مینو نظیر'' سے مراد بظاہر کشمیر ہے اور شاہ صاحب یہاں کے ''سید'' ہیں : ''سید القوم خادمھم'' ۔ جیسا کہ عرض کیا شاہ صاحب کی مساعی یہاں پر (ہمدان ، ختلان اور ماوراءالنہر کے دوسرے علاقوں وغیرہ کے

۹- Kashir, I, 90 -

۱۰- بانگ درا ، ۲۲۵ -

۱۱- جلال ہمائی ، غزالی نامہ ، ۱۲۵ -

مقابلہ پر) زیادہ مؤثر اور با نتیجہ رہیں ۔

اُن کی زندگی واقعاً درویش اور امراء اور سلاطین سب کی مشیر تھی اور سب اُن کے احترام اور علو مقام کے قائل تھے ۔ ایک طرف ساٹھ سال سے زیادہ عرصہ مجاہدۂ نفسانی اور سیر و سلوک عارفانہ میں گزارتے ہیں اور بیشتر کتابیں اسی موضوع پر تالیف فرماتے ہیں—اور اُن کے درجنوں معروف مریدوں کے نام ہم تک پہنچے ہیں مثلاً سید خواجہ اسحاق ختلانی و نورالدین جعفر بدخشی (جس نے اُن کے مناقب میں ''خلاصۃ المناقب'' لکھی) و میر سید حسین سمنانی وغیرہ ، دوسری طرف ان کی توجہ کا ہدف امراء و سلاطین ہیں کیوں کہ وہ جانتے تھے اس طبقے کی اصلاح بہت ضروری ہے ! الناس علی دین ملوکھم'' ۔ اُن کی کتابیں ''ذخیرۃ الملوک'' ، ''مرأت التائبین'' ، ''عقبات'' اور مجموعۂ ''مکاتیب'' وغیرہ ان تعلقات پر دلیل ہیں ۔[۱۲] اُن کے مراسم بزرگانہ کشمیر ، بلخ ، بدخشاں ، بخارا اور پکھلی وغیرہ کے حکام سے استوار تھے ۔ شاہ صاحب ان امراء و سلاطین کو عدل ، خدا خوفی اور بیشتر رفاہ عامہ کے کاموں کی تلقین فرماتے تھے ۔ (اس شعر کے پیش نظر) کشمیر کے بادشاہوں نے جو شاہ صاحب کے مشورے قبول کیے ان کا ایک خاکہ پیش کرتا ہوں :

(۱) سلطان شہاب الدین نے اُن کے مشورے اور تلقین پر ۷۷۴ھ میں ''وی ہند'' کے بادشاہ کے ساتھ اٹک کے قریب اپنی جنگ بند کی تھی ۔ (۲) سلطان قطب الدین نے خلاف شرع اسلامی دو سگی بہنوں سے شادی کر رکھی تھی اور شاہ صاحب کے فرمان پر ایک کو فوراً طلاق دے دی ۔ (۳) مدرسوں ، شفا خانوں ، خانقاہوں اور مساجد کا قیام اور صنعت شالبافی کی دوبارہ سرپرستی ان دونوں بادشاہوں نے شاہ صاحب کے صائب مشوروں سے ہی انجام دی ۔[۱۳]

پانچواں شعر بہت ہی بلیغ ہے اور ''دریا آستین'' کی ترکیب کا تو جواب نہیں ۔ کیا لفظی کیا معنوی اعتبار سے ۔ اس شعر کا دوسرا مصرع ''مسلمان کشمیر'' کی تاریخ کا واضح عنوان ہے اور شاہ صاحب کی پانچ سالہ سرگرمیوں[۱۴] کا خلاصہ بھی

۱۲- یہ کتابیں تہران یونیورسٹی کے مرکزی کتاب خانہ میں موجود ہیں (نمبر ۶۶۸ - ۶۷۲ عکسی نسخے) اور تمام بادشاہوں اور امراء کی درخواست پر لکھی گئی ہیں ۔

۱۳- Kashir, II, 372, 563, 604 -

۱۴- شاہ صاحب ۷۷۴ھ میں چار ماہ ، ۷۸۱ھ سے ۷۸۳ھ تک ڈھائی سال اورپھر ۷۸۵ھ سے ۷۸۶ھ کے اواخر تک تقریباً ۲ سال کشمیر میں رہے اور مجموعی طور پر یہ مدت ۵ سال بنتی ہے ۔

ہے ۔ شاعر نے فرمایا کہ شاہ صاحب نے خطہ کشمیر کو ''علم ، صنعت ، تہذیب ، اور دین'' دیا ہے اور اس اجمال کو کسی قدر تفصیل میں بیان کرنا ضروری ہے ۔

دین اسلام کشمیر میں بڑی دیر سے پہنچا ۔ اکا دکا مثالوں کو چھوڑ کر ، یہ دین آٹھویں صدی ہجری (چودھویں صدی عیسوی) میں یہاں پہنچا ۔ یہاں کے سب سے پہلے مبلغ نامدار سید عبدالرحمان بلبل شاہ (وفات ۷۲۷ھ) تھے جن کے ہاتھ پر بدھ راجہ رینچن (جو مسلمان ہوکر سلطان صدرالدین کہلایا ۷۲۰ - ۷۲۳ھ) مسلمان ہوا اور ساتھ ساتھ دس ہزار اور رعایا ۔ اس کے بعد تقریباً ۱۸ سال کشمیر خانہ جنگی اور مذہبی تفرقہ کا گہوارہ بنا رہا اور ۷۴۰ھ میں شاہ میر یا شاہ مرزا (بعد میں سلطان شمس الدین ۷۴۰ - ۷۴۳ھ) نے دوبارہ اسلامی سلطنت کو بحال کیا ۔ اسی دوران ۷۴۰ یا ۷۴۱ھ میں شاہ صاحب نے اس آشفتہ حالت میں کشمیر کو اپنے سفر کے دوران دیکھا تھا اور شاید اسی آشفتگی کی بنا پر ''شاہ دریا آستین'' نے اس کو ''ایران صغیر'' بنانے کا عزم کر لیا تھا اور ایسا کرکے رہے ۔

غرض شاہ صاحب کی آمد کے زمانے میں ''مسلمان کشمیر'' متزلزل اور نو آئین تھا ۔ سلطان شہاب الدین نے یہاں پہلا مدرسہ بنوایا جس میں علوم اسلامی کی تدریس شروع ہوئی اور اس مدرسہ میں جنم لینے والی ایک شخصیت امام القراء ابو المشائخ شیخ عثمان تھی ۔ فارسی زبان و ادب کا رواج شاہ صاحب کے دم سے تیز تر ہوتا گیا ۔ وہ اپنی کتابیں ساتھ لے آئے تھے اور سلطان قطب الدین کے زمانے میں ایک کتب خانہ بھی قائم کر لیا تھا ۔ وہ علاءالدین پورہ میں صبح کی نماز کے بعد درس و وعظ ارشاد فرماتے تھے ۔ کئی ہندو ساحر اور جادوگر اُن سے مناظرہ و مجادلہ کرکے اور کرامات دیکھ کر مسلمان ہو گئے ۔ اُن کے جانے وعظ پر اُن کے فرزند میر سید محمد ہمدانی (۷۷۴ - ۸۵۴ھ) نے ''خانقاہ معلّٰی'' بنائی تھی جسے ''مسجد شاہ ہمدان'' کے نام سے بھی شہرت حاصل ہے اور سری نگر میں قائم ہے ۔ شاہ صاحب (دیگر بزرگوں کی مانند) اکل حلال کی خاطر کلاہ بافی کرتے تھے ۔ ہمدان اور ایران کی کئی صنعتوں کو یہاں رواج دیا ۔ شالبافی کی قدیم صنعت یہاں عالم نزع میں تھی ۔ شاہ صاحب کی تشویق اور سلطان قطب الدین کی سرپرستی سے اس کا احیاء ہوا ۔ کشمیر میں ہندو تہذیب کی جگہ اسلامی اور ایرانی تہذیب ، سنسکریت کی جگہ فارسی اور عربی زبانیں رواج پانے لگی تھیں[۱۵] ۔

۱۵- Kashir, II, 88-89 ؛ پاکستان میں فارسی ادب ۳۹۵ ، ۴۰۱ - ۴۰۲ ؛ تاریخ حسن ۲ ، ۱۹۷ -

چھٹا شعر ، پانچویں شعر سے معنوی طور پر مربوط ہے ۔ شاہ صاحب نے ان عجیب و دل پذیر ہنر و صنعتوں سے خطہ کو ''ایران صغیر'' بنا دیا ۔

یہ صحیح ہے کہ جب ایران کی تہذیب ، زبان اور صنعتیں شاہ صاحب اور دوسرے سادات ایرانی کے ذریعے یہاں پھیل گئیں تو ''کشمیر'' میں ''ایران'' کی تمام خصوصیتیں جمع ہو گئیں ۔ دین اسلام بھی کافی رواج پا چکا تھا ۔ قدرت کے ہاتھوں نے بھی ''ایران کبیر و صغیر'' میں کافی مماثلت رکھی ہے ، کشمیر کا طبعی حسن ، ایران کے شمال مغربی علاقوں اور کوہستانی خطوں کے حسن سے بہت مشابہ ہے (اور شاہ صاحب کا کوہستانی مولد ہمدان بھی حسن میں کم نہیں) ۔ بحر خضر کے سواحلی علاقے حاصل اور آب و ہوا کے اعتبار سے کشمیر سے کافی مماثلت رکھتے ہیں ۔ انسانی حسن کا بھی یہی حال ہے ۔ شاہ صاحب کے معاصر بزرگ خواجہ حافظ شیرازی (وفات ۷۹۲ھ) ''ترکان سمرقندی'' اور ''سیہ چشمان کشمیری'' دونوں پر برابر کی نگاہ امید رکھتے ہیں ۔

بشعر حافظ شیراز می رقصند و می نازند
سیہ چشمان کشمیری و ترکان سمرقندی

(یاد رہے کہ اُس وقت سمرقند ، ایران کا ایک شہر تھا) ۔ اور زبان و ادب فارسی کا بھی یہی عالم ہے مثلاً برصغیر ہند و پاک کے ہر مرکزی شہر کے مجموعی شعراء سے اُن شعرا کی تعداد زیادہ ہے جو کشمیر میں پیدا ہوئے ۔[۱۶]

آخری تعارفی شعر میں شاہ صاحب کی ''قوت نگاہ'' کا ذکر کیا گیا ہے :

یک نگاہ او گشاید صد گرہ

قارئین اقبال جانتے ہیں کہ اُن کے نظام افکار میں ''نگاہ'' کی کیا اہمیت ہے ۔ علامہ کے بیسیوں بہترین اشعار نگاہ کی اہمیت کے بارے میں ہیں ۔ مثلاً :

فرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و ''نگاہ'' مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

''نگہ'' بلند ، سخن دلنواز ، جاں پر سوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لیے

ای پسر ''ذوق نگہ'' از من بگیر
سوختن در لا الہ از من بگیر

۱۶ - مجلہ ''ہلال'' (فارسی) نومبر ۱۹۵۵ ۔

اور یہ ''نگاہ'' کے کرشمے اُن کو شاہ صاحب کی ''جلالی'' اور ''روحانی'' شخصیت میں نظر آئے ۔ اُن کی ''نگاہ'' جس پر بھی ''جمال'' سے پڑی کندن بن گیا ۔ ''جلال'' اور قہر سے پڑی تو خاکستر ہو گیا ۔ اس ضمن میں ایک دو دلچسپ واقعات درج کرتا ہوں ۔

(۱) صاحب ''خلاصۃ المناقب'' نے لکھا ہے کہ مسافرت کے دوران شاہ صاحب ایک ایسے مقام پر پہنچے (شاید جزائر مالدیومیں) جہاں کے لوگ ایک مقفل دروازے کے بارے میں معتقد تھے کہ جو یہاں رات کو داخل ہو ، محرمانہ طور پر مر جاتا ہے اور صبح کو اس کی لاش ہی ملتی ہے ۔ شاہ صاحب اصرار کر کے وہاں داخل ہوئے ۔ آدھی رات کے وقت دو ساحرہ عورتیں شمع بدست وہاں جا نکلیں (تاکہ اُن کا کام تمام کریں اور لوگوں کے اعتقاد کو برقرار رکھ کر اپنی دکان سجائے رکھیں) ۔ شاہ صاحب نے ایک نگاہ خاص ڈالی اور ساحرہ خاکستر ہو گئیں ۔

(۲) کشمیر کی مشہور عارفہ شاعرہ اور صوفیہ لل ددی ، بابا طاہر کی مانند ''عریاں'' رہا کرتی تھی اور کہتی تھی— کوئی مرد نظر آئے تو پردہ کروں ۔ اتفاق سے ایک دن شاہ صاحب کی ''نگاہ'' اُس پر پڑی—ہوش میں آ گئی، دوڑی ہوئی ایسے جا رہی تھی جیسے ارشمیدس اصول حجم جاننے پر—'' آج ایک مرد دیکھ لیا ۔ اب میں عریاں نہیں رہوں گی ۔'' غرض شاہ صاحب کے ہاتھ پر اسلام لے آئی اور ایک با شرح خاتون کی مانند مرید بن گئی[۱۷] :

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

اس خراج عقیدت کے بعد علامہ نے شاہ صاحب سے جو گفتگو کی ہے اور ان کے چند نظریات اور افکار کو پیش کیا ہے ، اس پر مختصر بحث کرنا ہے ۔

علامہ پہلا سوال خیر و شر کی آویزش ابدی کے بارے میں پوچھتے ہیں ۔ اس میں کیا حکمت ہے کہ خدائے تعالیٰ نے ایک طرف تو شیطان (شر کا مظہر) پیدا کر رکھا ہے جس کی قوتیں ہر آن برائی کی طرف راغب اور نیکی سے منحرف کرنے والی ہیں اور دوسری طرف اطاعت فرائض اور نیک عملی کی اتنی تاکید ہے اور جزا و سزا کا یہ خوف ؟

شاہ ہمدان جواب میں فرماتے ہیں کہ اس میں یہ مصلحت ہے کہ اس قوی دشمن سے نبرد آزمائی کر کے ہم اپنی خوابیدہ قوتوں کو بیدار کرتے رہیں اور کسی وقت بھی غفلت اور تساہل کو قریب نہ آنے دیں ۔ قوی دشمن سے مقابلہ مقاومت کرنے میں انسانی شخصیت کی ایسی ہی جلا ہوتی ہے جیسے سان

۱۷- Kashir, II, 583 -

پر لگانے سے تلوار کی دھار بنتی ہے اور اس کے جوہر نمایاں اور کاری ضرب لگانے لگتے ہیں ۔ شیطان کی مصاحبت انسانی تباہی ہے اور اس سے جنگ ، انسانیت کا کمال ہے ۔

قارئین جانتے ہیں شیطان یا ابلیس کا اقبال نے کم و بیش اپنی تمام تصانیف میں ذکر کیا ہے ۔ مگر جاوید نامہ ، بال جبریل اور ارمغان حجاز میں زیادہ مفصل اور واضح ہے ۔ اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے مثلاً مجلہ اقبال (انگریزی) میں مرحوم تاج محمد خیال کا مقالہ ۔ علامہ کو یہ موضوع بہت پسند تھا اور بظاہر اس پسند کی وجہ ان کا فلسفہ خودی ہے ۔

ہر کہ دانای رموز زندگی است فضل حق داند اگر دشمن قوی است[۱۸]

ظاہر ہے کہ شیطانی قوتیں جہاد بالنفس کے وسائل فراہم کرتی ہیں اور علامہ کی نظر میں یہ خودی کی نشو و نما کا بہت بڑا وسیلہ ہے ۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اقبال نے یہ سوال آخر شاہ صاحب سے کیوں پوچھا ؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ شاہ صاحب کی زندگی شیطان اور اس کی قوتوں سے نبرد آزمائی کی امثلہ سے حیرت انگیز طور پر مملو ہے اور دور آخر کے بزرگان دین میں شاید وہ ''جہاد باالنفس'' اور ''جہاد باللسان'' کا بہترین نمونہ ہیں ۔ ان کی بیشتر تصانیف بھی اس موضوع پر روشنی ڈالتی ہیں ۔ ان کی کتابیں ''مرأت التائبین'' اور ''اوراد فتحیہ''[۱۹] نیز ان کے بارے میں جعفر بدخشی کے ''خلاصتہ المناقب'' کا مطالعہ اس عقدہ کی گرہ کشائی کر دیتا ہے ۔ ان کی ۷۳ سالہ زندگی میں سے ۶۱ سال کا ملاً مجاہدات اور جہاد نفس میں گذرے اسی لیے ایک جگہ فرماتے ہیں :

''جو کچھ میرے دادا علی زین العابدین کو دیا گیا ہے مجھے بھی دیا گیا ہے اور میرے دادا کا بہترین مقام ان کا لقب (زین العابدین) ہے[۲۰] ۔''

ان کے مجاہدات نفس کے واقعات سے ہٹ کر ان کی حق گوئی بھی شیطانوں سے نبرد آزمائی کی مثالیں فراہم کرتی ہے ۔ امیر تیمور سے ''حکمت'' کے موضوع پر بحث تلخ ان کی مہاجرت کا سبب بنی ۔ ایک مرتبہ نام نہاد علمائے دین کی ایسی خبر لی کہ انھوں نے کھانے میں زہر ملا کر شاہ صاحب کو ہلاک کرنے کی

۱۸- اسرار و رموز ۳۸ ۔

۱۹- نمبر ۴۲۵ کتاب خانہ ملک (تہران) ۔ یہ کتاب تہران میں چھپ بھی چکی ہے ۔

۲۰- خلاصتہ المناقب برگ ۴۲ ب (نسخہ کتب خانہ بادلین جو کہ مرکزی کتب خانہ تہران یونیورسٹی میں موجود ہے) ۔

کوشش کی ۔ فضل خداوندی سے بچ تو گئے مگر زہر کا اثر ساری عمر باقی رہا[۲۱] ۔ اس قسم کے عواقب سے ان کو کئی بار دو چار ہونا پڑا ۔ ان کی تبلیغی سرگرمیوں میں مشکلات کا ایک خاکہ ان کے ''مکتوبات'' میں ملتا ہے ۔ ایک مرتبہ اس شیطان شکن شخصیت پر جب نفس پرستوں نے حملہ کیا ، تو اس نے جواب دیا : خدا کی قسم اگر زمین و آسمان آگ اگلنے لگیں تو بھی میں صرف ''حق بات'' ہی کہوں گا[۲۲] ۔ شاہ صاحب نے اپنے مریدوں کو کئی مقام پر نصیحت کی ہے کہ اس حدیث رسولؐ پر عمل کریں ''بہترین جہاد سلطان جابر کے سامنے کلمۂ حق کہنا'' ہے اور رسالہ ''فتوتیہ''[۲۳] میں حقیقی جواں مرد کی یہ تعریف کرتے ہیں کہ وہ شیطانی قویٰ کا سر کچل ڈالے ۔ پس ثابت ہوا کہ شیطان مآبوں سے ٹکر لینا شاہ صاحب اور علامہ کا مشترک موضوع تھا ۔

اس سوال کا جواب سن کر علامہ مرحوم شاہ صاحب کو اپنے آبائی وطن اور شاہ صاحب کی مساعیٔ جمیلہ کی جولان گاہ ، کشمیر کی دل دوز داستان سناتے ہیں ۔ پہلے کشمیریوں کی بےعملی ، غلامی پسندی اور خود فراموشی کا رونا روتے ہیں :

از خودی تابی نصیب افتادہ است — در دیار خود غریب افتادہ است
از غلامی جذبہ ہای او بمرد — آتشی اندر رگ تاکش فسرد

یہ وہ قوم ہے جو :

در زمانی صف شکن ہم بودہ است — چیرہ و جانباز و پر دم بودہ است

پھر علامہ انگریزوں کی اس ناپاک سازش کا ذکر فرماتے ہیں جس کے نتیجے میں سرزمین کشمیر ۷۵ ہزار سکہ نانک شاہی کے عوض گلاب سنگھ نے خرید لی تھی (اس فجیع واقعہ کو بیع نامہ امرتسر ۱۸۴۶ کہتے ہیں) :

دہقان و کشت و جوی و خیابان فروختند
قومی فروختند و چہ ارزان فروختند

اس سلسلے میں علامہ نے سلطان شہاب الدین (۷۵۵ - ۷۷۵ھ) کی تعریف فرمائی ہے ۔ یہ وہی مقتدر بادشاہ ہے جس نے کشمیر کے نواحی علاقے فتح کر لیے تھے اور کشمیر میں اولین اسلامی نقوش اور کئی رفاہ عامہ کے کام اس کی سلطنت کی

۲۱- خلاصۃالمناقب برگ ۹۶ ب ۔
۲۲- مجموعۂ مکاتیب (جن کا ذکر گذر چکا ہے) ۔
۲۳- رسالہ ''فتوتیہ'' بھی ۶۶۸ - ۶۷۲ مجموعہ میں موجود ہے راقم الحروف اس پر مقدمہ لکھ کر چھپنے کی غرض سے تیار کر رہا ہے ۔

یادگار ہیں ۔

شاہ صاحب کشمیر کی حالت زار سن کر ''خلوتیوں'' کی ''ایمائی زبان'' میں کشمیریوں کو پیغام دیتے ہیں کہ انسانی ''وجود'' روح و بدن سے تشکیل پاتا ہے مگر روح کی بالیدگی اور ''جلوہ مستی'' کی خاطر ، بدن کو مشقتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں اور اگر ''روح'' بیدار ہو جائے تو امتوں کی تقدیر بدلنے میں زیادہ دیر نہیں لگتی :

ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی[۲۳]

کشمیر کی یہ وہ حالت تھی جو جاوید نامہ کے لکھتے وقت (۱۹۲۸ - ۱۹۳۲) علامہ مشاہدہ کر رہے تھے ۔ یہ حالت بجائے سنبھلنے کے بگڑتی ہی رہی یہاں تک کہ ''نوبت باینجا رسید'' مگر کشمیری بیدار سے بیدار تر ہوتے رہے ۔ انھوں نے نہ کسی قربانی سے دریغ کیا ہے اور نہ اب کریں گے :

تاز جان بگذشت جانش جان اوست
ورنہ جانش یکدو دم مہمان اوست

دوسرا سوال علامہ نے خراج اور مالیات کی ادائیگی کے جواز کے بارے میں پوچھا ہے :

ما فقیر و حکمران خواہد خراج
چیست اصل اعتبار تخت و تاج

شاہ صاحب نے (یعنی اُن کی زبانی اقبال نے) اس سوال کا جو جواب دیا ہے وہ مسلمانوں کو (برصغیر اور کشمیر دونوں میں) دعوت ''جہاد اور آزادی'' تھا ۔ البتہ جواب اس نوعیت سے ادا کیا ہے کہ ''کمال گویائی'' کا مصداق ہے ۔ اقبال کی اسی خصوصیت پر تبصرہ کرتے ہوئے مرحوم ڈاکٹر عبدالرحمان بجنوری نے کہا تھا کہ اگر مسلمان اقبال کو سمجھ لیتا تو ایک دن بھی غلام نہ رہتا اور اگر انگریز سمجھ لیتا تو اقبال کی ساری زندگی قید و بند میں گزرتی — اور یہ جواب بھی اسی ضمن میں آتا ہے ۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ بادشاہی یا تو رضائے عوام سے لی جاتی ہے یا جنگ و فساد سے ۔ جو بھی صورت ہو ''باج'' یا ٹیکس لینے کے دو شخص مجاز ہیں : اول ایسا مسلمان اور با عمل حاکم جو از روئے قرآن مجید ''اولوالامر'' بننے کا مستحق و مجاز ہے (یعنی جو خدا اور رسولؐ کے فرامین پر عمل پیرا ہے) یا وہ جنگ جو فاتح اور جوانمرد جو جنگ میں قہر کا اور صلح میں دلبری کا مظہر

۲۳- بانگ درا ، ۲۹۲ -

ہو ۔ ظاہر ہے کہ یہ صفات بھی اساساً مسلمان کی ہیں مگر دوسرے فاتحین نے بھی اسے اپنایا ہے ۔ مثلاً بقول شیخ سعدی اسکندر اعظم یونانی کی کامیابی کا یہی راز تھا کہ مفتوحین سے نرم سلوک کرتا تھا[۲۵] اور اگر یہ صفات غیر مسلم فاتح کی بھی ہوں تو بھی برصغیر اور کشمیر کے نافرجام حکام اس پر پورے نہیں اترتے تھے ۔ ان کی کامیابی ریشہ دوانیوں اور ظلم و تعدی کے بل بوتے پر تھی ۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ کشمیر تو کیا ، ایران اور ہندوستان جیسے بڑے ملک بھی خرید لیے جا سکتے ہیں مگر ''بادشاہی خریدی نہیں جا سکتی''۔ جو بادشاہی اور حکومت عدل و انصاف اور ''قاہری و دلبری'' سے متصف نہ ہو وہ پائدار نہیں رہ سکتی اور نہ رہے گی ۔

اگر اس جواب کو واقعی ''جہاد کا پیغام'' سمجھا جائے تو یہ نکتہ بھی جاننا چاہیے کہ شاہ ہمدان مخصوص ماحول کی وجہ سے کفار کے بارے میں بہت سخت تھے ۔ اپنے عربی رسالہ ''الناسخ و المنسوخ فی القرآن مجید''[۲۶] میں انھوں نے صلح و رواداری کے مضامین والی کئی آیات کو منسوخ لکھا ہے اور اُن کا ناسخ اُن آیات کو لکھا ہے جو جہاد اور قتال کے پیام کی حامل ہیں ۔ یہ عجیب توارد کار ہے کہ کشمیری ایک عرصے سے جہاد و قتال پر عمل پیرا ہونے کے لیے مجبور کیے جا رہے ہیں اور اب بھی (شاہ صاحب اور علامہ مرحوم کی توقعات کے مطابق) :

دل میان سینہ ی شان مردہ نیست
اخگر شان زیر خ افسردہ نیست

۲۵- گلستان سعدی (مقدمہ ڈاکٹر جواد مشکور) ۵۶ ۔

۲۶- نسخہ خطی نمبر ۲۸۳ (کتب خانۂ مرکزی دانش گاہ تہران) میں لکھتے ہیں :

''یسئلونک عن الشھر الحرام قتال فیہ'' منسوخ بہ ''اقتلو المشرکین حیث و جدتموھم'' . . . . ''لا اکراہ فی الدین'' منسوخ بہ : ''جاہدالکفار والمنافقین'' وغیرہ ۔

بظاہر شاہ صاحب کے مخصوص عصر نے اُن کو ایسا ''شدید اللحن'' بنا رکھا تھا ورنہ بقول مولانا روم :

امر حق را ہم با مر حق شکن
بر ز جاج دوست سنگ دوست زن